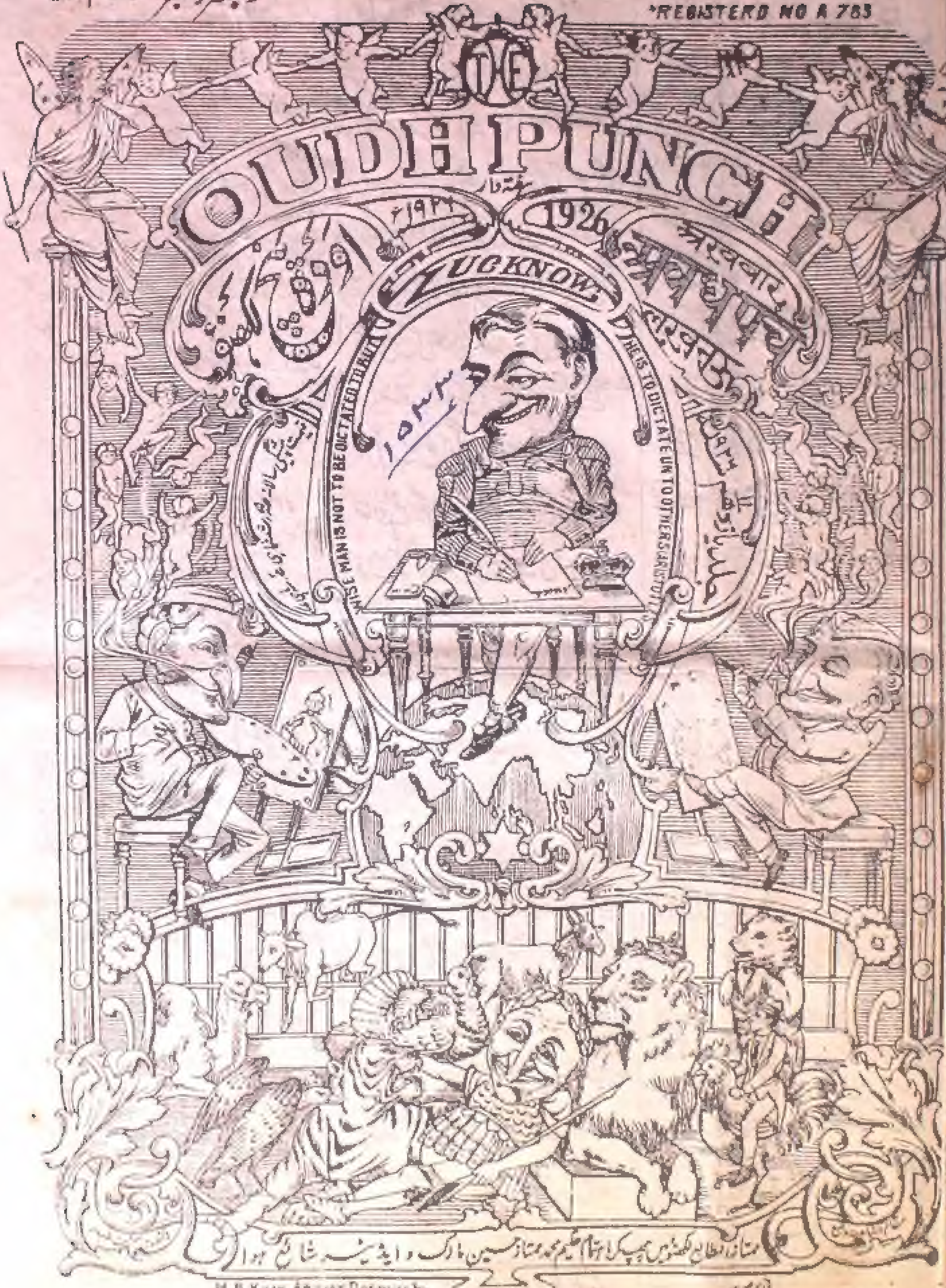
رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۳
REGISTERD NO A 783



ضعیفی دور کرنے کی تدابیر

مع ۳۴ تصاویر

[illegible]

سکر ٹریٹ [illegible] متھرا

ہندوستان کس لیے

[illegible]

(اوپد شاستری جا شر کو تیار)

[illegible]

بحر امید

[illegible]

پرنسپل گورنمنٹ [illegible]

فائدہ نہ ہو قیمت واپس

حبِّ لقمانی

ایک گولی کھا لیجئے — ایک ہی گھنٹہ بعد قوت

اور ... میں [illegible] غضب کی ترقی پیدا ہو گی کہ [illegible] ہوتی ہے ... تو گھنٹوں رہتا ہے ... اگر کمزور بھی ہیں تو کسی طرح کی شکایت معلوم ہو گی بلکہ دم بدم میں اضافہ ہوتا رہیگا ... ترقی ... دوگی بعد فراغ ایک گولی کھا لیں ... [illegible] تین روپیہ۔

منیجر دواخانہ عظمت العلاج لکھنؤ

شادی جزو لیست [illegible]

[illegible]

قیمت ... محصول ...

المشتہر

منیجر اودھ پنچ لکھنؤ

فائدہ نہ ہو قیمت واپس

روغن لقمانی

یہ روغن نہایت [illegible] ایک ہی قطرہ ... لگا کر ...

[illegible]

قیمت ... روپیہ محصول ... کوئی دوا ... ہو تو واپسی قیمت کی شرط۔

منیجر دواخانہ عظمت العلاج لکھنؤ

کیا آپ اپنی تجارت کو ترقی دینا چاہتے ہیں

[illegible]

جرمنی کی تجارتی ڈائرکٹری

[illegible]

المشتہر

ایسٹ اینڈ ویسٹ ٹریڈ ڈویلپر

راجکوٹ ہندوستان

THE EAST AND WEST TRADE DEVELOPER
RAJKOT, INDIA.

ہر قسم کے کتب اس پتہ سے طلب کیجئے۔ رشید حسین رضوی [illegible] اودھ پنچ لکھنؤ۔

جلد ۱۱ نمبر ۴۳

مضامین غیر

پنجشنبہ ۲۸ ۔ اکتوبر ۱۹۲۶ء

النظم الملیریائی

جناب پنچ ۔ جب سے پرچۂ اوئیت آج ہی بیچ میں بخار مع النزلہ کی آمد آمد کا شور ہو رہا ہے اون کے ساتھ میں نے بھی چند اشعار لکھ مٹ ڈپٹے لگے ماند گرمی شعر خیالات ناقصہ سے بری نہیں ہے لیکن جی بہلانے کی غرض سے چند مزدار اشعار کا پارسل ارسال خدمت ہے ۔

ڈاٹ کر سوٹ بن کے آپ ٹوڈی پٹ ۔ ہو گیا "تیرا یار" ایڈ وکیٹ
بول کر جھوٹ پاتے ہیں بیسٹ ۔ یاروگوں کا ہے یہ ایٹی کیٹ
شدھی اور سنگٹھن کے ہاتھوں سے ۔ فتنہ ڈشٹر کا کھل گیا ہے گیٹ
ہندیوں کو لڑا کے آپس میں ۔ تو رہے ہیں وہ بھر رہے ہیں پیٹ
ظلم کی اُن سے جب شکایت کی ۔ ہنسکے بولے کرو نہ تم رائیٹ
جب کیا وصل کا سوال اُن سے ۔ لال اُٹھے مسکرا کے پیارے ریٹ
رفت مفت پاجامہ آمدہ نیکر ۔ شد گران ہست بازار جانی ریٹ
کچھ نکیرین بھی نہ پوچھیں گے ۔ ہمکو ہندی سمجھ کے ڈیلی گیٹ
جب ہوا بند دَر خلافت کا ۔ کھل گیا ہند میں "سودیشی" گیٹ
اپنے "ہمدرد" کی بڑھی "شوکت" ۔ بھر کے چندے کی مالیت سے پیٹ
ہندوالوں کی آگئی شامت ۔ وہ بنے جب سے قومی ڈیلی گیٹ
دل مرا لکھا گیا قلا بازی ۔ کچھ منٹ ہو گیا جو وہ کل لیٹ
جیب میں "گنڈارہ" گیا نہ کوئی ۔ ست گئی آج رنگ میں اسٹیٹ
اون کی نازک تنی کا کیا کہنا ۔ صرف دو گز کی ہے کمر کی لپیٹ
زور پر ہے ملیریا فیور + ۔ "چل رہا" ہے حکیم جی کا پیٹ

راقم سرکوب ۔ راتدن آہ روتے ہیں سرکوب
عشق کی کھائی ایسی چوٹ چپیٹ ۔ فتحپوری

موتیا بند یعنے تبصرۂ شعر الہند

نمبر ۱۱

(تتمہ ۲۰ ۔ اکتوبر ۱۹۲۶ء)

جملہ تذکرہ نگاروں کی تصانیف میں خود اون کے ذوق کو بہت بڑا دخل ہے وہ اپنے ذوق سخن سے جس شاعر کو مخالف پاتے ہیں فوراً اوس پر نکتہ چینی کر بیٹھتے ہیں اور وہ نکتہ چینی عموماً بیہودگی اور یاوہ گوئی سے خالی نہیں ہوتی الا ماشاء اللہ تعداد ایسی ادنیٰ اوس رنگریز کی سی ہے جو صرف اتفاقاً رنگ جانتا تھا جب کسی نے پوچھا کیوں بھائی کس طرح کا رنگ رنگوا ئیں فوراً جواب ملا رنگ تو ابنوا رنگ ! واللہ اس سے چوکھا کوئی رنگ نہیں ہوتا" خدا کی شان ہے شاعری اور مستند شاعروں کا تذکرہ وہ لوگ لکھنے بیٹھتے ہیں جنھیں خود کبھی ایک مصرعہ موزون کرنا نصیب نہ ہوا یا وہ حضرات جو خود از رنگ بڑ بڑ بک لیتے ہیں مگر اساتذہ پر اعتراض کرتے وقت بالکل اپنے ہفوات لاطائل کو بھول جاتے ہیں کہ اونھوں نے خود کیا جھک مارا ہے (ممکن ہے کہ یہ خدا کی طرف سے ہو) ایک نہایت باریک چیز "رنگ سخن" ہے لیکن رنگ سخن کی جانچ بھی اوبار نے اکثر "کلر بلینڈ" حضرات کے حوالے کر دی ہے ۔ آج ہر شخص رنگ سخن کی شناخت کا مدعی نظر آتا ہے کسی نے شعر پڑھا ؎

چکر کھا یا کئے ہمیشہ ۔ یعنے گرداب میں پھنسے ہم

اور حضرت بول اوٹھے "اہا ہا غالب کا رنگ ہے ۔ ذری پھر ارشاد ہو" کوئی پوچھے کہ اس شعر میں آپ کو غالب کا رنگ کیونکر نظر آیا ۔ اور غالب کا رنگ کیا ہے ؟ تو حقیقت کھل جائے ، بات یہ ہے آپ نے دوسرے مصرعے میں "یعنی" کا لفظ معائنہ فرمالیا "یعنی" گویا حضرت غالب کا "پیٹنٹ اور ریزرو" لفظ ہے جو کوئی "یعنی" کہے فہو الغالب ۔ یا مثلاً کسی نے کہا ؎

فتنہ زار ہے دیرینہ بانداز نگرگ ۔ گل پژمردہ صد رنگ خیابان نکلا

اور حضرت کو حال آگیا "سبحان اللہ ! کیا غالبیت ہے مصرعہ کیا مصرعہ ہے ۔ واہ "بانداز نگرگ" اے ماشاء اللہ تعریف نہیں ہو سکتی ۔ جناب مصور فطرت ملاحظہ فرمایئے کیا کہا ہے "گل پژمردہ صد رنگ خیابان" جناب حکا شخ ذات صاحب آپ کے مذاق کا شعر ہے ۔ جناب مولانا نقاش ہستی ستم ہے قہر ہے اس لطافت کی داد آپ سے ملنی چاہئے "فتنہ زار ہے دیرینہ" کا ٹکڑا ہے کہ موتی جڑ دیئے ہیں جان بلاغت کہیئے تو زیبا ہے اسی رنگ میں اس گرو کا بھی ایک شعر ہے ملاحظہ ہو ؎

نفس آلودہ حسرت ہے گریبان جنون ۔ نامہ تا پائے کمر طور بہ پایان نکلا

انصاف کیجئے ، رنگ طبیعت یا ذوق سخن کی شناخت ایسے ہی یاوہ گو حضرت کا کام ہے ؟ !

سلامتی سے مصنف شعر الہند خود شاعر نہیں ہیں مگر دوسرے تذکرہ نگار ، وہ ان نے اپنی بد مذاقی کی نمائش کی تھی وہ سب آپ کو پسند آگئی ۔

دُنیا جانتی ہے کہ شاعر ہر ایک رنگ میں طبع آزمائی کرتا ہے فارسی یا اردو کا کوئی مشہور شاعر ایسا نہیں ہے جسنے زر طبیعت کو اس کسوٹی پر نہ کسا ہو اور قدرت پیدا کرنے کی یہی تدبیر ہے ۔ اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ شاعر نے جس شخص کی روش اختیار کی اوسکا ذکر بھی مقطع میں کر دیا بعض شعراء نے دیگر اساتذہ

یا معاصرین کی طرح بھی کی ہے صاحب شعر الہند ان تمام امور کو بطور ایک اقراری سند کے پیش فرما دینگے مثلاً غالب نے اپنے اس شعر میں۔

وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہویں شاید
مر گیا غالب آشفتہ نوا کہتے ہیں

وحشت و شیفتہ کا نام لیا تو حضرت بحث لکھینگے کہ آخر میں جناب غالب نے وحشت و شیفتہ کا رنگ بھی اختیار کر لیا تھا۔ یا مثلاً حضرت عزیز کا نام اکبر مرحوم نے اپنے کسی شعر میں لے دیا اور کہا کہ

......قول ا دمی عزیز
کہ میں شعر کہتا ہوں اپنے لئے

تو حضرت مصنف خود استدلال فرمائینگے کہ حضرت اکبر بھی عزیز لکھنوی کا تتبع کرتے تھے۔ اور یہی سند اقراری پیش کرینگے۔ اور ہرگز خیال نہ فرمائینگے کہ اگلے شعرا حصول فن کے لئے بہت محنت کرتے تھے۔ آجکل کے شاعروں کی طرح نہ بیٹھے رہتے تھے۔ قصیدہ، رباعی، غزل، مثنوی، قطعہ کوئی صنف شاعری ایسی نہ تھی جس پر انھوں نے طبع آزمائی نہ کی ہو یہ دوسری بات ہے کہ زمانے کی دستبرد سے کچھ کلام کسی کا بچ رہا اور کچھ تلف ہو گیا اسی طرح وہ صنائع و بدائع پر بھی عبور حاصل کرنے کی سعی کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ کسی صنف کلام میں انکی طبیعت عاجز رہ گئی ہو مگر یہ عجز اونکے نقص کمال کی دلیل نہیں۔ یا نہیں کہ طبیعت کا حال یکساں نہیں رہتا۔ غالب کا سا با کمال شاعر اپنے منتخب کلام میں بھی تمام اشعار ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہوئے نہ پیش کر سکا۔ غالب تو غالب میر تقی میر مرحوم تک اور داور اونکے اشعار کے اور استاد گزرے اونکا تمام مجموعہ کلام یکساں نہیں ہے۔ مثلاً غزلیں ناسخ، آتش، ذوق، وغیرہم کے

کلیات موجود ہیں حضرت مصنف شعر الہند جو رنگ پسند فرماتے ہیں اوسی رنگ کا شعر ہر ان اساتذہ کے کلام سے نکال کے دکھا دینے کا وعدہ کرتے ہیں خدا نے آنکھیں دی ہیں خدانخواستہ مونتیابند تو ہے نہیں۔

جس شخص نے کبھی کچھ موزوں کرنے کی کوشش کی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ شعر موثرات طبیعت

اور ستدلال ہی ایسا پایا تھا۔ اب اگر کوئی عقل کا اندھا یہ خیال کرے کہ حافظ میں اخلاقی مواعظ کے نظم کرنے کی صلاحیت ہی نہ تھی وہ احمق ہے کیا اخلاقی مواعظ سے حافظ کے اشعار خالی ہیں۔ کیا اونکے اخلاقی مواعظ میں شاعرانہ لطافت کی قلت ہے؟۔

مصنف شعر الہند کا رجحان کلام یہ ہے کہ طبعی مذاق قدرت سخن پر اس طرح حاوی ہو جاتا ہے کہ ایک طرز کے علاوہ دوسرے طرز پر کچھ نظم کرنے کی استعداد مفقود ہو جاتی ہے۔ یہ غلط ہے اور اسی کو غلط ثابت کرنے کیلئے شعرا نے اپنے طبعی مذاق سے علیحدہ ہوکے دوسرے اصناف شاعری میں بھی گل کھلائے وادی ہے۔ نظم کی زمینیں موجود ہیں اون کی سیر کی جا سکتی ہے۔ کسی میں ایک کا چراغ جلا کسی میں دوسرے کا۔ یہ ہرگز طبیعت کا ... نہیں ہے۔

بچاسویں صفحہ سے حضرت مصنف نے سودا پر اپنی طبعی بے سوادی کچھ اسطرح صرف فرمائی ہے کہ ناظر کتاب نہ تو سودا کی قادر الکلامی پر یقین لا سکتا ہے نہ عاجز کی یہ آپ فرماتے ہیں:۔

"سودا کی غزلوں میں تغزل کی اصل روح یعنی سوز و گداز نہیں ہے"

بھلا پوچھیے یہ سوز و گداز کیا بلا ہے آپ کو وہ عینک کب ملی تھی جو سوز و گداز دیکھ سکے!۔ معلوم ہوتا ہے کہ سوز میں آپ وہ بو ڈھونڈھتے ہیں جو کبابی کی دکان سے آتی ہے اور گداز میں وہ کیفیت جو شمع گرکے سامنے میں نظر آتی ہے۔ بندہ ہیچمدان اس سوز و گداز کی تعریف سے کتاب دیکھنے آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکتا کہ سوز و گداز"

کا تابع ہوتا ہے۔ اگر دیوان ایک ہی حال نغز طاری رہتا ہے تو اوسکے زمانے تک اوسی کیفیت کی محاکات بذریعہ الفاظ ہوا کرتی ہے۔ مثلاً تغتم و افلاس۔ تعیش و تلاش معاش۔ قید و آزادی۔ اشتیاق و بے فکری۔ امید و یاس خوف امینی۔

حافظ کا کلام آمید اور بے فکری سے مالا مال ہے



ہمارا حصہ ذو الفقد
(۱) کچھ کھانا کھاتا
(۲) دو کچھ سینکا بیٹھا
(۳) کچھ کو نوا - کچھ دیا
دنیا کیا ہو رہا ہے - ہمیں تو خبر ہی نہیں

کوئی صنف شاعری نہیں ہے نہ کیفیات وجدانیہ میں سے کوئی کیفیت علم النفس کے رسائل پڑھ دیکھیے۔ طبی کتب کا بھی مطالعہ کیا۔ طب میں تو خیر "گوزبراز" منجملہ مستفرغات موجود ہے۔ علم النفس جسکو شاعری میں پورا دخل ہے آپ کی اس خاص اصطلاح کی شرح سے بالکل عاجز ہے۔ یہ کیا بے معنی اور بے از جہل کتہ چینی ہے؟۔ کیا صاحبان علم اسی طرح ایک شاعر یا حکیم کے خیالات پر نکتہ چینی کرتے ہیں؟۔ اگر اسی قسم کے مہمل اصطلاحات وضع کئے جائیں تو رہی بات۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ عجز و تذلل غزل کا اصلی عنصر ہے۔ یہ بھی نئی بات اور نیا کلیہ ہے۔ تیسری جگہ کہتے ہیں کہ سودا نے اخلاقی مسائل کو لیتے ہیں اور ان کو تمثیل کے ذریعے سے ثابت کرتے ہیں۔۔۔ تمثیلی رنگ میں اگرچہ دعوے و دلیل کے تطابق سے دماغ بے شبہہ متاثر ہو جاتا ہے لیکن جذبات و احساسات پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا" حالانکہ دنیا میں "تمثیل" سے بڑھ کے مطلب سمجھانے کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جو چیز سمجھ میں آجائے وہ زیادہ مؤثر ہوتی ہے بہ نسبت اس چیز کے جو سمجھ میں نہ آئے۔ دماغ پر حسن "کاذبہ" ہے اگر یہ اثر پذیر ہوا تو یہ کہنا کہ "احساس" پر اثر نہیں ہوتا منطقیت کے افراط کی دلیل ہے۔ اور "جذبات" سے بندہ واقف نہیں کہ یہ کیا بلا اور کس علم کی اصطلاح ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ "وہ (سودا) جا بجا مضمون آفرینی اور خیال بندی بھی کر جاتے ہیں"

گویا سودا کا ایک بہت بڑا گناہ یہ بھی ہے جس کے باعث غزل میں سودا کا درجہ میر کی بہ نسبت پست خیال کیا جاتا ہے۔ چوتھا سبب ارشاد ہوتا ہے کہ "وہ داخلی پہلو کے ساتھ خارجی رنگ کو بھی لیتے ہیں اور اکثر معشوق کے خد و خال کی بے اثر تعریف و توصیف کرتے ہیں۔"

داخلی پہلو و خارجی رنگ بہت با معنی ہے لیکن جو شخص ایسی اصطلاحیں وضع کر سکتا ہو وہ کبھی وہ اصناف کلام اور حسن معنی کے سمجھنے پر قادر ہوگا۔ ظاہری کو لا۔ باطنی پو۔ سطحی گردن۔ عمیق مزا۔ سے کیون نہو۔ واہ رے داخل خارج۔ سلامت رہے یہ بازار تو نہ جس میں ایسے رنگ بو ذائقہ کے اصطلاحات مستتر ہیں۔

جناب مصنف علام نے تشبیہ کی بھی ایک نئی قسم نکالی ہے جسے "دھیم دھامی تشبیہ" کہتے ہیں (صفحہ ۹۵) آپ تخیل کو "تصنع" کے "مرادف" سمجھتے اور فرماتے ہیں "یہ شعر بھی تخیل و تصنع سے خالی نہیں ہے" (صفحہ ۹۹) گویا "تخیل" جس پر شعر کا مدار ہے بڑی چیز ہے۔ ہے تو واقعی بڑی چیز۔ کیا معنی کہ حضرت کی تمام کتاب تخیل کے حسن سے خالی ہے۔ میر و سودا کے موازنہ کلام میں حضرت نے جہل کے تمام اقسام مکمل طور پر دکھا دیے ہیں۔ اور بازار ادب میں ایک ایسی متاع کاسد کا اضافہ کر دیا ہے جس کی خریداری سے بہتوں کے دماغ خراب ہو جائینگے۔

اصل یہ ہے کہ جہل مرکب کے ہاتھ میں قلم ہونا ایک عظیم مصیبت ہے کبھی وہ چلم کو پاجامہ کہتا ہے کبھی پاجامے کو چلم۔ پھر بھول جاتا ہے اور کہنے لگتا ہے کہ نہ چلم ہے نہ پاجامہ۔ امرود ہے امرود۔ عبارت پوری دیکھ جائیے۔ قدرت کلام کا اعتراف بھی موجود ہے اور اس کی نفی بھی ہے۔ اخلاقی صفات کے وجود سے انکار بھی ہے اور عجز مواز نہ کے توجیہات میں ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ مرزا اخلاقی اشعار غزل میں کہہ جاتے تھے اور میر کے نتائج طبع اس سے خالی ہیں۔ دونوں "امرد پرست" تھے مخالف تھے ایسے تھے ویسے تھے۔ کتاب کا ہے کو ہے

ضرورت ہے

استعمال شدہ اردو کتابوں کی مثلاً اردو شعرا کے دیوان اور نثر کی کتابیں فرہنگ نند لال فرہنگ آصفیہ اور دیگر لغات و مصطلحات وغیرہ

خط و کتابت متعلق قیمت و دیگر حالات بنام منشی سر یعقوب کے لال صاحب کرشنا گنج الہ آباد شہر ہونی چاہیئے

ایک گراموفون ہے جس میں بھانت بھانت کے جانوروں کی بولیاں ہیں ان بولیوں میں زیادہ نمایاں حضرت مصنف کے عصفور قلم کی "چوں چوں" معلوم ہوتی ہے جس میں خود مصنف صاحب کی ذاتی رائے خدا نخواستہ شامل نہیں۔ مینڈکون کی ٹرٹر بھی ہے گدھوں کی سیپوں بھی ہے سیار وں کی "ہنکا ہوا" بھی ہے اور جا بجا بلبلوں کی نغمہ سرائی بھی ہے۔ باقی آئندہ۔

راقم مد فیح الخیال کمال

پنچ مل خدا - خدا مل پنچ

ننانوے کا پھیر

یعنی

پولیس کمیشن پنجاب کی رپورٹ

سوا ونٹون کی ایک قطار تھی۔ مالک صاحب ہر منزل پر قیام کرتے وقت اس خیال سے اونٹ گن لیتے تھے کہ شاید کوئی اونٹ راستے میں بچھڑ نہ گیا ہو۔ اتفاقاً ایک مرتبہ اونٹ پر بیٹھے بیٹھے آپ نے جائزہ لیا مگر جس اونٹ پر خود تشریف رکھتے تھے اوسے شمار کرنے میں بھول گئے جب گنتے ہیں ایک اونٹ کم پڑتا ہے یا اللہ یہ کیا طلسم ہے۔ گھبراہٹ کا خدا بھلا کرے۔ لگے روتے ہائے اونٹ ہائے اونٹ۔ ہائے وائے کی صدا دوسروں نے سنی۔ مدد کے لئے دوڑے۔ واقعہ سنا۔ ایک ٹل چلنے والا کپڑ کے انھیں اونٹ سے کھینچ لیا اور کہا اب گنو۔ چلئے گنتی پوری ہوگئی۔ آنسو خشک ہوئے۔ جان میں جان آئی۔

اللہ رکھے برٹش گورنمنٹ بھی صاحب شتر سے کم نہیں ہے۔ پنجاب پولیس کمیشن رپورٹ سے اس ننانوے کا پھیر اچھی طرح واضح ہوتا ہے۔ ننانوے تو عیب پولیس کے گنوائے ہیں۔ مثلاً۔

پولیس رشوت خور ہے۔ پولیس گناہگاروں کو چھوڑ کے بے گناہوں کو پھانستی ہے۔ ۱۰ اہل دولت کو

دھمکیاں دیتی ہے۔ ملزم کے دوستوں اور عزیزوں کی جان پر سفر اول ہو جاتی ہے۔ مقدمے بناتی ہے کبھی مضبوط ثبوت کا ہونا رشوت کے سیلاب میں ڈال کے پانی کر دیتی ہے کبھی بھلے اور غیر محسوس مجرمانہ شبہ دیکھ کر اور ذہن پھیرتی ہے۔ جب چاہا استغاثہ کے گواہوں کو پھر واپس بھیجا انکی بجو غیر مرتب غیر مقرر بنا دیا۔ جب چاہا معمولی سی شہادت کو الٹ پلٹ کر دیا۔ رشوت کی باضابطہ کمپنی تیار ہے۔ کانسٹبل اور ماتحت عملہ تھانے دار صاحب کی خزانچی کرتا رہتا ہے۔ پیشہ ور مجرم کے حوصلے یوں بڑھائے جاتے ہیں کہ ناجائز مال میں پولیس برابر کی شریک مانی جاتی ہے۔ ایک محلہ میں اگر کوئی واقعہ ہو گیا تو بستی بستی ہے چاہے گنا ہگار ہو یا نہ ہو رزق کا ٹھیکہ ہے" دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ جلو بھی مہاجن کے گھر ٹیکس کی ادائی کا وقت آ گیا۔ تھانے دار صاحب نے چار ہی دن پوری کو تحقیقات کے لئے منتخب کیا ہے۔

اسکے بعد وجوہ بے ضابطگی و بے عنوانی پر توجہ فرمائی ہے وہ بھی سلامتی سے خالی نہیں نظر آتے۔ یعنی عوام ایسے اشخاص کو برا نہیں سمجھتے۔ ہر چند کہ حکومت ایسا قانون رکھتی ہے جو ان خدائی فوجداروں کا پورا قلع قمع کر دے۔ مگر عوام تعلیم یافتہ نہیں ہیں۔ اسکے علاوہ حضرت بڑی مصیبت یہ ہے کہ بددیانت افسروں کو سزا دینا بڑی مشکل بات۔ راشی و مرتشی دونوں از روئے قانون قابل مواخذہ ہیں۔ بالاعلان رشوت نہیں لی جاتی جو ہتا کتا موٹا تازہ ثبوت فوراً ہی مل جائے۔ اور کردار کا نتیجہ فوراً ہی مجرموں کو بھگتنا پڑے۔ ہر سپاہی بھی بڑے سرے کے ناتربیت یافتہ ہوتے ہیں۔ اور سب سے بڑی سو بالنس کی ایک کمیٹی یہ ہے کہ حضرت سلامت سن خواہش گناہ و عصمت دکھی دکھائی پڑتی ہے۔ اور حضور ان نعمت سے خوان یوں ہوتا ہے کہ مین الوان طعام کی بگڑی اور رہ جو کے شیر ہو گئی۔ آپ ہی بتائیے اسکا علاج ہی کیا ہے۔ بس یہی کہ اب بڑھاؤ جس پر بار بار عمل ہوتا رہا۔

اسباب و علل کے ... کمیشن کی رپورٹ سے

تدابیر انسداد کی عرضی کروٹ لی ہے مگر یہاں بھی دنیا تو سے کہ بھیڑ" کا عمل دخل ہے کیا معنی کہ مد نگرانی کی زیادتی بھی آخری اونٹ ہے جس پر حکومت سوار ہے ہم اقبال کا اونٹ ہے۔ یہ جتنا اکثر نگرانی خوب مٹے ہے لیکن یہ بتائیے کہ جب جرائم کا ارتکاب ہزار پردوں میں چھپا کے ہوتا ہے اور اسکا اقرار ان الفاظ رپورٹ میں موجود ہے کہ رشوتیں پکڑنی آسان نہیں تو نگرانی کا دائرہ آخر کس قدر وسیع کرنے کا ارادہ ہے۔ کراما کاتبین کا روزنامچہ بھی اگر مہیا کر لیا جائے تو کچہری میں یقیناً بے سود بے کار سمجھا جائیگا۔ اسی طرح اگر صاحب مجسٹریٹ ضلع اپنا دروازہ عام طور پر کھول دیں اور شکایات سننے کے لئے ہمہ وقت گوش برآواز بھی رہیں تو کیا ہوگا۔ بیچارے فریادی کے دل سے یہ خوف نکالے نہیں نکل سکتا کہ" جھوٹی رپورٹ کرنے والے کے واسطے بھی ہتکڑی بیڑی موجود ہے" بات کھو تو بیان ہے جھوٹی ہو گر اوسے ثابت کر لیجائے کی دم دا میں لیکے کھو دے جب رہو"

آپ منتظر ہوں گے کہ شتر کی تعداد پوری کر دیا کون سا اونٹ ہے جس پر گورنمنٹ سوار ہے اور حماقت کی راہ سے وہی اونٹ گنتی میں لی۔ لہذا ہم بتائے دیتے ہیں۔

سنئے صاحب اصلی اونٹ جس پر گورنمنٹ سوار ہے وہ کاہلی کا اونٹ ہے۔ اگر عقل و انصاف دونوں سے کام لیتا ہے تو قابل افراد کی ایک جماعت مہیا کیجئے جو جرائم اور ان قوانین تعزیری کا کھوٹا موثر انسداد جرائم کے معیار پر رکھے۔ اور یہ دیکھے کہ پولیس کو جو قدرتی اختیارات حکومت کی طرف سے عطا کیے گئے ہیں۔ اون اختیارات کے بیجا صرف کیے جانے پر کیا دوا ممکن ہے۔ آپ یقین رکھیے کہ اس سے کوئی بدنامی ہے وہ حکومت کی نہ ہوگی جو حماقت ظاہر ہوگی وہ پرانی فرسودگی گزری حکومت کے پلے ہم بھی جانیں گے۔ ہمارے سامنے دو قسم کے قوانین ہیں ایک وہ جو افسروں کو طرز انتظام سکھاتے ہیں۔ دوسرے وہ جو تفتیش جرائم اور باداش جرائم سے متعلق ہیں۔ ان دونوں میں انصاف انصاف انصاف کا وظیفہ تو موجود ہے مگر صرف نام ہی نام ہے کوئی موصل الی المطلوب طریقہ موجود نہیں۔

کیا آپ نے پولیس کمیشن کی اس رپورٹ میں کسی جگہ یہ بھی دیکھا ہے کہ اعلیٰ افسر اپنے ماتحتوں سے تعداد جرائم کم ہو جانے پر باز پرس کرتے ہیں۔ اور جرائم کی قلت کو تھانے دار کی رشوت ستانی اور غفلت پر محمول کرتے ہیں خواہ غریب تھانے دار نے اس عامہ کے لحاظ سے جرائم پیشہ لوگوں کی سختی کے ساتھ نگرانی کی ہو اور اپنے ذاتی اخلاق سے اونہیں ارتکاب جرائم سے باز رکھا ہو؟

کیا آپنے اس رپورٹ میں یہ بھی ملاحظہ فرمایا ہے کہ اکثر احکام حکومت کی طرف سے مبنی بر ظلم موصول ہوتے ہیں جنکی تعمیل علاوہ بے انصافی کے خود حکومت کو ماتحتوں کی نگاہ میں سبک کر دیتی ہے اور انکا جواز مکمل جاتا ہے ؎

بہ نیم بیضہ جو سلطان ستم روا دارد
زنند لشکریانش ہزار مرغ بسیخ

ایک مرتبہ اگر حکومت کے حکم سے کسی غریب پر کچہری پھیری پڑی تو پھر سو مرتبہ کیوں اپنا اغراض نکالنے کے لئے نہ پھیرے۔

اس موقع پر ہمیں ایک حکایت یاد آ گئی۔ پندرہ برس اودھر طرف کا ذکر ہے کہ ایک ڈپٹی کمشنر صاحب کو شکار پر جانے کے لئے بار برداری کی ضرورت ہوئی صاحب تھانے پر موجود تھے اور تھانے دار سے کہہ رہے تھے" دل بھر اسباب جرور کر کے بھجوا دو"

تھانے دار نے خداوند بہت تلاش کی مگر کوئی بیکی سڑکوں پر چھکڑا لیجانے کی راہی نہیں پھرتا۔ دو چھکڑوں کے بیل کمزور ہیں۔ ایک چھکڑا کہیں باہر گیا ہوا ہے۔ تین چھکڑے پہلے ہی سے حضور کے کیمپ میں بیگار پکڑے گئے ہیں۔ وہاں ایک بنیا ہے اوسکے پاس مضبوط بیل بھی ہیں۔

... محمد حسین رضوی ... دفتر اودھ پنچ لکھنؤ



معکوس عکسِ خیال

ریچھ: "اخاہ! میرا سایہ غلط انداز معلوم ہوتا ہے بہرنوع منہ کھول کر جواب دینا خلافِ مصلحت ہے۔"

جان بل: "ہا! تری ایسی تیسی کمبخت کسی طرح اپنے ہتھکنڈوں سے باز نہیں آتا۔"

اور وہ جھگڑا بھی مگر وہ کمبخت ہے نذری چڑھاوا روپے والا۔ اگر سختی ہوئی تو شکایت دور تک پہونچیگی۔" صاحب بولے کچھ پروا کا بات نہیں۔ تو ہم حاجر کرو بنیا۔ ٹم کس موا تک اوجر اعذر کرنے سکتا۔"

مختصر یہ کہ بنیا آیا۔ تھانے میں صاحب کے سامنے اوسکی اچھی خاصی مدارات ہوئی۔ صاحب دیکھتے رہے۔ وقت نکل گیا۔ آپ جانئے تھانے دار کا حسن عمل جب قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا تو اب کیا پوچھنا ہے۔ بیگر خانی شروع ہو گئی۔ اور صاحب کے پاس رپورٹ پر رپورٹ جانے لگی۔ اس بنیے پر تھانے دار صاحب کو خاص توجہ تھی۔ موٹا سامی تھا کسی معاملہ میں بھاری رقم تھانے دار صاحب نے اوسکی طلب فرمائی استطاعت نہ تھی بیچارہ صاحب کے پاس فریاد لے گیا۔ صاحب بھلا رشوت ستانی کیونکر گوارا کرتے اوںھوں نے بنیے کو مشورہ دیا کہ جو روپیہ تھانے دار مانگتا ہے وہ تم دے دو لیکن روپیہ پر صاحب نے چاقو سے اپنے دستخط کر دیے۔ ادھر بنیا تھانے دار صاحب کی خدمت میں پہونچا اودھر صاحب گھوڑے پر سوار ہو کے قصبہ میں چلے۔ بنیا رشوت کے روپیہ گذار رہا تھا تھانے دار صاحب نے دیکھا کہ صاحب آتے ہیں مگر کچھ پروا نہ کی۔ صاحب تشریف لائے اوںھوں نے تھانے دار صاحب کا ہاتھ پکڑا۔ تھانے دار نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً صاحب کی آؤ بھگت گھونسوں کے توس اور دشنام کی گالی سے کرنی شروع کر دی۔ ارے میرا بھائی دھوان۔ دھوان۔ دھوں۔ واہیات تو یہ ہے کہ صاحب کا پتلون دھوبی کو اوسی وقت دیا گیا۔ مگر کوئی عینی شاہد نہیں ہے اور سنی سنائی بات قانون شہادت میں مقبول نہیں ہر کیف جب ان نا فرجام آوازوں میں کمی ہوئی تو تھانے دار نے اپنے سرگرم خدمات کی یوں توجیہ کی۔

حضور! یہی بنیا ہے جس کا جھگڑا حضور کے حکم سے اسکی مرضی کے خلاف گرفتار کیا گیا۔ اوس وقت حضور کو انصاف نہ سوجھا ہم حضور کی آنکھوں میں خاک ڈال کے ظلم کرتے رہے۔ آج حضور کو انصاف کا خیال آیا۔ بنیا ہندوستانی۔ بندہ ہندوستانی۔ روپیہ ہندوستان کا۔ آپکے حکم سے بیسیوں بے انصافیاں ہوئی ہیں۔ آج چند روپیہ جو بھول رہے ہیں تو حضور کے ستم عدالت شیم میں کیوں مڑوڑا اوٹھا۔"

بات معقول تھی نہ بھی ہوتی تو زیر دست لکد زخمت ہر بات معقول ہو جاتی ہے۔ صاحب چپکے اپنی فرودگاہ تشریف لے گئے۔ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت۔

تو بندہ پرور اس ننانوے کے پھیر میں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ ہندوستان کی خفیہ پولیس عمال کی غلط کاریوں کا سراغ بھی لگاتی ہے یا نہیں؟ قاعدے قانون کی کتاب میں اگر خفیہ پولیس کا یہ فریضہ لکھا ہو تو ہو۔ عملاً ہم دیکھتے ہیں کہ خفیہ پولیس صرف حکومت کے لئے جھوٹی سچی بغاوت کا سراغ لگانے اور مخفی مسکرات کی فروخت کی جانچ کرنے پر اپنے خدمات ختم کر دیتی ہے۔ یا بڑی بڑائی یہ کہ ایک آدھ چوری یا قتل کے مجرم کو سزا دلوا دیتی ہے۔ ایسا کوئی واقعہ آج تک ہمنے نہیں سنا کہ کسی تھانے دار نے جھوٹے مقدمات بنائے ہوں۔ مجسٹریٹ نے تجویز میں واقعہ کو مصنوعی قرار دیا ہو اور خفیہ پولیس نے اسکی رپورٹ کی ہو۔ پھر اس رپورٹ اور تجویز پر حکومت نے توجہ فرمائی ہو۔ اگر ایسا کوئی واقعہ ہو بھی تو وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ تماشے روز دیکھے جاتے ہیں کہ فلاں شخص پولیس میں پڑوسی کی شکایت لے گیا "روز ڈھیلے آتے ہیں" اور پولیس نے ہدایت کی "تیری۔۔۔ اپنے اپنے ہاتھ سے اپنا سر پھوڑے تو رپورٹ کا مزا بھی آئے"۔ یا یہ کہ جورو خاوند میں جوتا چلا اور جناب پولیس آپ نے عورت کی ناک پر ایک کنکھجورا رسید فرما کے مقدمہ کو سنگین بنا دیا۔ یا کوئی پیچیدہ مقدمہ ہوا تو سراغ رسی و عیاری کا تمام رتب نایاب یہ ہوا کر مخذ بعجز زدوکوب کی جوڑ بہ میں آ گیا۔ اور نہیں کسی ناکردہ گناہ نے جوتوں کے ڈر سے خواہ مخواہ اقرار جرم کر لیا اور سے چالان لیا۔ شہادت کی تک بندی کسی نہ کسی طرح ہو گئی۔ اعلے حاکم بھی دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جو پولیس کی تمام کارروائیوں پر اعتماد رکھتے ہیں اونھیں پولیس کا ہر فعل مبنی بر عصمت و طہارت نظر آتا ہے دوسرے وہ جو پولیس کی طرف سے بدگمان ہیں۔ قرآن کا جامہ پہن کے پولیس آئے مگر وہ اعتبار نہیں کرتے۔ فی الحقیقہ یہ دونوں حاکم انصاف کا نام ہی نہیں جانتے اور یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس ہر سبب کی باز پرس حکام سے بھی کی جاتی ہے؟

سچ پوچھئے تو اس قسم کی تمام خامیاں اوسی ننانوے کے پھیر سے متعلق ہیں جسکا ہمنے تذکرہ کیا جب تک قانونی اختیارات کی تقسیم میں حقیقی انصاف ملحوظ نہو۔ ایسے ایسے ہزار کمیشن رپورٹ بازی کرتے رہیں کوئی فائدہ نہو گا۔

کمیشن صاحب فرماتے ہیں کہ پولیس کے محکمے نے بڑی حد تک اصلاح سے ترقی حاصل کر لی ہے۔ اب دوران تفتیش میں ملزموں اور مشتبہ لوگوں پر اوتنی زیادتی نہیں ہوتی جتنی کہ پہلے ہوتی تھی اور جسمانی ایذا دہی کے واقعات بھی کم ہو گئے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ ان صاحب کو معلوم ہوتا ہے کہ کمیشن میں گواہی دینے والے پولیس کے پھندے میں کبھی پھنسے نہیں۔ یہہ بات مجروحوں اور ملزموں کے کہنے کی تھی۔

اور بندہ پرور یہ بھی تنا نوے کا پھیر ہے کہ تنخواہ بڑھائی جائے۔ کیا معنی کہ پولیس میں استحصال بالجبر کے واقعات ہرگز فاقہ کشی پر مبنی نہیں ہیں۔ نہ ہمنے کسی پولیس مین کو تیسرے فاقہ چنے چباتے دیکھا ہے۔ لہذا تنخواہ بڑھنے کا مسئلہ یوں طے ہونا چاہیے کہ جس تھانے میں امن و امان ہو۔ سنگین جرائم زیادہ نہ ہوتے ہوں پولیس کا برتاؤ شریفانہ ہو وہاں ضرور تنخواہ بڑھائی جائے آپ سلہ کا حق آزادے قرار دیتے ہیں جسکی فہرست تعدادت ملوائی ہو۔ ایسی حالت میں تنخواہ کی ترقی ”زاد علی الطنبور نغمہ“ ہوگی۔ چخیری اور دو دو۔

باقی آئندہ

مولانا پنچ کی نوٹ بک

خاندانی تعلقات

ایک صاحب گدھے پر سوار جاتے تھے راہ میں تنہا تکتے ایک پیر زمین گیر ملے۔ خر سوار صاحب کے دل میں رحم آیا اور انھوں نے بڑے میاں کو اپنا ردیف بنا لیا۔

بڑے میاں کی تکان پیادہ پائی میں جب سکون ہوا تو کہنے لگے ”گدھا بہت ہی خوش خرام ہے“ تھوڑا راستہ طے ہوا تو فرمایا ”آپ کے گدھے کی تعریف نہیں ہو سکتی“ کچھ دور اور آگے بڑھے تو گویا ہوئے ”ہمارا گدھا بھی کیا گدھا ہے“ اب تو مالک حمار کے کان کھڑے ہوئے۔ گدھا روکا اور حکم دیا کہ ”حضرت! آپ سے زیادہ حریص میں نے دنیا میں کوئی بڈھا نہیں دیکھا۔ پہلے آپ نے جیسے تیسے اس انکسار اصوات کی تعریف کی۔ میں خاموش رہا۔ اسکے بعد آپ نے واحد غائب حاضر سے اس نکرہ کو معرفہ بنایا۔ میں خاموش رہا۔ اب آپ ”ہمارا“ کی ضمیر جمع سے ملک میں اشتراک پیدا کر رہے ہیں کچھ عجب نہیں کہ آگے بڑھ کے آپ کی نیت بدل جائے اور آپ فرمائیں کہ ”میرا گدھا بھی کیا گدھا ہے“ تو بندہ اس حق کے سننے کے لئے آمادہ نہیں ہے۔ سے اور تریئے تو سہی۔ چلتا دھندا کیجئے۔ خیریت اسی میں ہے“

مثل ہذا التمثیل ہندوستان میں بھی عقلی کی بدولت گدھا ہے یہاں مسلمان بطور ایک فاتح کے نازل ہوئے تھے وہ اگر کہتے تھے کہ ”میرا گدھا بھی کیا گدھا ہے“ تو کچھ مضائقہ نہ تھا مگر انگریز یہاں ایک سوداگر یا مہاجن کی صورت میں وارد ہوئے تھے۔ ایک صدی گزرنے کے بعد انھوں نے کہنا شروع کیا ”میرا گدھا بھی کیا گدھا ہے“ چندے اہل ملک نے صبر کیا۔ کچھ خوف کچھ طمع کچھ مروت۔ آخر نیشنل کانگریس اس دعوے کی مخالفت پر آمادہ ہوئی اور جب عدم اشتراک عمل کا دور ہوا تو لوگوں نے بجرأت تمام کہہ دیا ”سے اور تریئے تو سہی۔ بس خیریت اسی میں ہے“ مگر بچارے اپنا سا منہ لے کے رہ گئے کیا معنی کہ یہ بات نہ تھی گدھے کی لات تھی۔ اب مالکانہ حقوق پر دعوے کی تجدید اور اقرار موکد کی ضرورت کچھ زیادہ زور دکھا رہی ہے۔ چنانچہ لاٹ برکن ہیڈ نے ایک نیا شگوفہ چھوڑا ہے آپ جانئے بڑوں کی بڑی بات۔ عوام کی طرح ”میرا گدھا“ وہ نہیں کہتے بلکہ فرماتے ہیں ”ہمارا تعلق ہندوستان کے ساتھ سیاسی تعلق نہیں ہے خاندانی تعلق ہے“ اے زہے قسمت! جو ہندوستانی حضرات صورۃً و سیرۃً ولایتی بننا چاہتے ہیں انھیں اس اظہار تعلق سے مستفید ہونا چاہیے چاہیے اور نسبت ”دودھی“ کی ہو۔

شاید لوگوں کو دفعۃً اس زرد و بوندی ”پر حیرت ہو تو انھیں متحیر ہونے کی ضرورت نہیں بات یہ ہوئی کہ آجکل پیرس کے جرائد نے خواہ مخواہ غل مچا رکھا ہے۔ خود ہی خواب دیکھتے ہیں کہ برطانیہ کے ملوکات کی تحلیل کیمیاوی ہونے والی ہے عنقریب اس عجائز کی سنگیں تجھر جائینگی۔ اور خود ہی تعبیر دیتے ہیں اخبار ... الکتھ ... کہ یہ کوئی بات نہیں دور اندیشی عجب چیز ہے خانگی جھگڑے رو کے جائیں تو خاندان کے اجزا متحد ہو سکتے ہیں۔

مگر ان مضامین میں خاندان کا لفظ نہ آتا تو شاید ... کو نوابوں کی انجمن میں ...

رشتے کے اظہار کی ہندوستان کے ساتھ ضرورت نہ ہوتی۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی اعتبار نہیں۔ ع

عنایت ہائے بسیار شنیدیم ... کہ دل بیست نوازش کمتر شنیدیم

بھولی بسری چوٹ

بعض جرائد دوسرے پرچوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ فلاں پرچہ فلاں کا اخبار ہے۔ شاید اس اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ اخبار شخصی فرائض انجام دیتا ہے حالانکہ اسے قوم کے فوائد پیش نظر رکھنے چاہئیں۔ مگر خیال یہ ہے کہ معترض صاحب بھی اسی دلیل میں داخل ہیں فرق ہے تو یہ کہ بلی بادر ... کا ... کے قلم سے اڈیٹر صاحب کی شناخوانی کی داخل بھی خوب گوشت ہیں ہوتا۔ ایک دیسا ہی ایک خصیل ... زور پر تھے۔ کہ ... تھا کہ ڈاڑھی بہت زبردست ... لڑائی جاری تھی کہ حضرت ... ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرا ... خواجہ سرا ہو ... خوب ... اور دی تیسے کہ ڈاڑھی پر چوٹ کو پہنچا۔ او آخر غالب ہوا۔ شاید حضرت بھی ... ہوئے یاد دلا رہے ہیں۔

موسمِ گرما کا تحفہ

دواخانہ معدن الادویہ لکھنؤ کے تیار کردہ مفرحات جنکی دھوم سارے ہندوستان میں ہے خالص میوہ جات کے رس اور عرقیات سے تیار کیے ہوے شربت ہیں جو اثر میں بے نظیر صورت میں دلاویز، ذائقہ میں خوشبو، لطافت میں بے بدیل ہیں۔ دل و دماغ کو فرحت، قلب کو سکون و راحت آنکھوں کو خنکی و تراوٹ بخشتے ہیں، شدت عطش کو دور کرتے ہیں۔ جلد طلب فرمایئے۔

شربت بہار	شربت خاکسار	شربت انار ولایتی	شربت کیوڑہ	شربت بید مشک	شربت کیسو	شربت بادام	شربت فالسہ
فی بوتل عہ	فی بوتل عہ	فی بوتل عہ	فی بوتل عہ	فی بوتل عہ	فی بوتل عہ	فی بوتل عہ	فی بوتل عہ
شربت دنگمرہ	شربت لیمو	شربت نارنج	شربت انناس	شربت انگور	عرق کیوڑہ حیدرآبادی		عرق بید مشک لاہوری
فی بوتل عہ	فی بوتل عہ	فی بوتل عہ	فی بوتل عہ	فی بوتل عہ	فی بوتل عہ		فی بوتل عار

ارزاں بیہلت گراں بحکمت کے مقولہ کو یاد رکھیے" ولایتی ایسنس و شکرین سے بنے ہوے شربتوں سے پرہیز کیجیے۔ فہرست مفت طلب فرمایئے۔ قریب کے ریلوے اسٹیشن کا نام ضرور تحریر فرمایئے اور ۱ رقم پیشگی محصول ادا کرنے کے لیے روانہ کیجیے۔

المشتہر

منیجر دواخانہ معدن الادویہ وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

معارف النغمات

یعنے وہ بے نظیر کتاب جس نے پیچ پیچ مضامین گرہ لگائی اور ایک گراموفون کی طرح سروں کے محفوظ رکھنے بلکہ گلے کے جملہ حرکات کا تحریر لکھ لینے کے قواعد سکھائے۔ ایک مشہور و معروف کتاب ہے اسکے حصہ اول کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور جاننے والے جانتے ہیں کہ تا حال موسیقی کے جزو علمی اور عملی پر اس سے بہتر کتاب شائع نہیں ہوئی۔ اب اسی کتاب کا

حصہ دوم

طبع ہوا ہے۔ حصہ دوم میں مصنف نے اساتذۂ فن کے علم سینہ کو علم سفینہ بنایا ہے یعنے تان سین کے عہد سے زمانہ حال تک صدہا اساتذۂ فن کی گائکی اور ان کے گلے سے نقل کی ہوئی دھرپد اور ہوری کا نقشہ کتاب پر کھینچ دیا ہے۔

اُستاد محمد علی خاں

میاں تان سین کے آخری یادگار ہیں صدہا راگوں کی دُھرپد اور ہوریاں اس کتاب میں ان سے نقل کی گئی ہیں۔ لطف یہ کہ اگر آپ سر گمے سے ادا کرنے پر قادر ہیں تو کتاب کے رموز کو سمجھ لینے کے بعد جو کہ نہایت وضاحت سے ابتداے کتاب میں لکھ دیے گئے ہیں ہر ایک راگ کو برت سکتے ہیں جس طرح کہ استاد خود تعلیم دیتا ورنہ ایک معمولی ہارمونیم یا سارنگی سے کام نکال سکتے ہیں۔ اسکے علاوہ دیگر مشاہیر کا سرمایۂ ناز بھی آپ کو اس کتاب میں ملے گا۔ فی الحقیقۃ مصنف نے لاکھوں روپیہ صرف کیا اور ایک عمر کی محنت سے کام لے کے اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ قیمت جلد اول للعہ قیمت جلد دوم صہ محصولڈاک بر ذمہ خریدار

المشتہر: منیجر اودھ پنچ لکھنؤ